ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

جدید غزل پر اشتہار بازی اور خبریت کے اثرات کا جائزہ

Review of the effects of advertising and news on modern Ghazal

*ڈاکٹر صائمہ نذیر

**ابو بکر صدیق

Abstract

Ghazal is a popular genre of Urdu poetry. Classical Ghazal had been criticized for its conventional subject matters and thus its narrow scope. Ghazal, not only held this criticism, but also succeeded to acquit it from it and made its way to conform to the new demands of the time. This helped widen the subjects and topics of Ghazal. However, this expansionism led it to advertisement and newsiness. Newsiness did give Ghazal variety of subjects and topics but it lost its air and impact we found it the conventional Ghazal. Our poets in their search of subject matter for their poems did not confine themselves to a limited topic, instead, they adored their poems with problem related to the whole globe. Modern model poets express in their poems the problem of human society around the globe.

Key words*: Modern Ghazal, social Behavior, News, Advertisement, Modernism, Interiority, Eternity, Individual and Collective Behavior.*

کلیدی الفاظ : جدید غزل، سماجی رویے، خبر، اشتہار، جدیدیت، داخلیت، خارجیت، انفرادی و اجتماعی رویے

اردو کی ترویج اور اشاعت میں غزل نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ عام طور پر غزل کی تعریف "عورتوں سے باتیں کرنا یا عورتوں کی باتیں کرنا" جیسے الفاظ سے کی جاتی ہے۔ اس تعریف کی رو سے غزل کا موضوع محض عشقیہ مضامین ہی قرار پاتے ہیں لیکن غزل کی تاریخ پر نظر ڈالیے تو معلوم ہو گا کہ دلی جذبات و احساسات کا بیان، عشق و محبت کے مضامین اور درد و غم کا اظہار غزل کی بنیادی روایت ضرور ہے لیکن اردو غزل ان چند ہی مضامین تک محدود نہیں رہی بلکہ اس نے سماج کا آئینہ بننے کا حق ادا کیا ہے اور وہ آج کے جدید ترین رجحانات کی بھی عکاسی کر رہی ہے۔

غزل کا ہر شعر ایک اکائی ہوتا ہے اور دوسرے شعر سے انفرادیت کا حامل ہوتا ہے۔ غزل کے انہی دو مصرعوں میں شعرا نے بڑے سے بڑے موضوعات باندھے ہیں۔ غزل میں عشق و محبت کے ساتھ ساتھ فکر و فلسفہ، دین و اخلاق، عرفان و تصوف، سیاست و معیشت، نفسیاتی اور سماجی پہلو بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ ابو الا عجاز حفیظ صدیقی لکھتے ہیں:

> غزل میں مضامین کے اعتبار سے اس قدر وسعت پیدا ہو چکی ہے کہ آج عشق و محبت، فکر و فلسفہ، دین و اخلاق، عرفان و تصوف، سیاست و معیشت، نفسیاتی اور سماجی مسائل، کائنات کی وسعتیں اور باطن کی گہرائیاں غرض کہ حیات و کائنات کا ہر پہلو غزل گو شعرا کی دسترس میں ہے۔(۱)

اردو غزل کی مقبولیت کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنی بنیادی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بدلتے ہوئے حالات اور نئی رونما ہونے والی سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ خود کو تبدیل کیا ہے۔ غزل ہر سماجی رجحان کو اپنے دامن میں سمیٹتی رہی اور عہد بعہد سماج، معاشرے اور انسانی رویوں کی عکاسی کرتی رہی۔ غزل نے اپنی روایت کے مطابق داخلیت اور حوادثِ زمانہ پر اظہارِ خیال کو ایک ساتھ پیش کیا، یوں غزل نے غمِ جاناں اور غمِ دوراں کو جوڑ کر رکھا۔ چناچہ میر و غالب سے لے کر آج تک غزل اردو ادب کی پیشانی جھومر شمار ہوتی رہی ہے اور اکیسویں صدی کے سائنس و ٹیکنالوجی سے منسوب دور میں جدید ترین ایجادات کی چکا چوند اور الیکٹرانک میڈیا کے شور و غوغا میں بھی اردو غزل اپنی نازک خرامی، دیدہ زیبی اور قدیم شائستہ اطواری کے ساتھ نہ صرف یہ کہ زندہ و تابندہ ہے بلکہ اس کے چاہنے والوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ ہی اقوامِ عالم میں بھی اردو کو اس کی وسعت پذیری، خیالات و افکار کی گنجائش، تخیل آفرینی اور جدت طرازی کی وجہ سے دنیا کی مقبول، ترقی یافتہ اور علمی زبان کے طور پر قبول کیا جا رہا ہے۔

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

لیکچرار، شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

اردو غزل آج صرف میر و غالب کی روایات کے مطابق اظہارِ عشق، شمارِ مصائب، شکوۂ گردشِ دوراں، بیانِ احوال و معاملاتِ زمانہ اور تہذیبی اقدار اور زہد و تصوف اور رسوم و روایات کے تذکروں تک محدود نہیں رہی بلکہ اس نے سماج پر بیتنے والے حالات کے ذکر سے لے کر جدید اختراعات سے رونما ہونے والی تہذیبی اور تمدنی تبدیلیوں، فرد اور معاشرے کو اپنی اپنی سطح پر پیش آنے والے سنجیدہ مسائل مثلاً اداسی، بے سمتی تنہائی، مایوسی، بے یقینی، لاحاصلی، لایعنیت، رائیگانی، خوفِ مرگ، عدم تحفظ وغیرہ اور ان کے ساتھ ساتھ پیشہ ورانہ زندگی کے تقاضوں، ہنگامہ خیزی اور تغیر پسندی، تعقل اور خود پسندی، حوادث اور انسان کی بڑھتی ہوئی حرص جیسے موضوعات کا احاطہ بھی کیا ہے اور ان سب کے ساتھ روایت کے ساتھ رشتے کو بھی برقرار رکھا ہے، کیوں کہ غزل کے بنیادی موضوعات آفاقی ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

> تہذیب اور تمدن اور سائنس کی یہ ترقی اس میں شک نہیں کہ بہت سی پرانی چیزوں کو ختم کر دے گی ان کی جگہ نئی محفلوں کو جمائے گی لیکن آفاقی موضوعات بہر حال باقی رہیں گے۔(۲)

غزل کے مضامین میں پائی جانے والی جدت دراصل معاشرے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا نتیجہ ہے۔ ادب کا ایک عام طالب علم بھی یہ بات جانتا ہے کہ ادب اور ادیب معاشرے، سماج اور اپنے عہد کے حالات سے جڑے رہنے پر مجبور ہیں، ادیب یا شاعر کا خیال زمان و مکان اور اپنے عہد سے آزاد نہیں ہو سکتا، چناچہ سماج پر زندگی کے جس بھی شعبے مثلاً سیاست یا سائنسی ترقی کے جو بھی اثرات مرتب ہوتے ہیں، ادب ان کا اثر قبول کرتا ہے۔ کیوں کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر عہد علوم و فنون کے ارتقا سے متاثر ہوتا ہے اور علوم و فنون کی ترقی ادب پر اثر انداز ہوتی ہے۔ قمر جمیل کے الفاظ میں:

> خیال اور احساس کا تعلق اپنے عہد کی حیثیت سے بھی ہوتا ہے۔ ہر عہد کی حیثیت اپنے عہد کے علوم و فنون سے متاثر ہوتی ہے۔(۳)

یہی بات ڈاکٹر رشید امجد نے بالفاظِ دیگر کہی ہے: "ادب اپنے سیاسی، سماجی نظام اور فکر سے جنم لیتا ہے۔" (۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی ادیب سماج اور اس میں رونما ہونے والے حالات سے خود کو لاتعلق نہیں رکھ سکتا، حتیٰ کہ افلاک کے پردوں میں پوشیدہ حادثہ یا بعد از حادثہ معاشرے پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا ایک سچے ادیب اور شاعر کو ادراک ہو جاتا ہے اور ادیب یا شاعر معاشرے کو اس کی آگہی دینے پر مجبور ہو جاتا ہے کیوں کہ یہی اس کی زندگی کا وظیفہ ہوتا ہے، یہی فریضہ غزل کے شاعر کو بھی مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے حالات، سماجی اتار چڑھاؤ اور نئے رجحانات کی وجہ سے پیدا ہونے مسائل کو اپنی غزل کا موضوع بنائے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اقوام عالم اور خاص طور پر اپنے ملک کے لوگوں کو درپیش جدید مسائل اور مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہ کہنا غلط ہو گا کہ یہ ادیب کے مسائل نہیں ہیں یا یہ کہ عصری آگہی کے اس رخ کا ادب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ادیب تو زیادہ حساس ہونے کی وجہ سے ان مسائل کو عام شہری کے مقابلے میں زیادہ شدت سے محسوس کرتا ہے۔(۵)

دراصل ادیب اور شاعر سماج میں رونما ہونے والی متلاطم کیفیات کو اپنی ذکاوت، جزرسی، نکتہ رسی، رمز شناسی اور مشاہدے اور مطالعے کی بدولت معاشرے کے عام فرد سے بہت پہلے جان لیتے ہیں اور اپنے مخصوص طرزِ بیان، منتخب صنفِ اظہار اور مقتضائے حال کے مطابق چنے گئے لب و لہجے اور الفاظ میں معاشرے کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی ادب سماج اور معاشرے سے کٹ کر نمو، فروغ اور قبولیت حاصل نہیں کر سکا، جس طرح سماج میں بولی جانے والی زبان کا ماہرانہ اور فنکارانہ استعمال ادیب کی ساکھ اور فن پارے کی مقبولیت کے لیے بنیادی شرط ہے اسی طرح ادب پارے میں پیش کردہ حقائق و معارف معلومات اور افکار کا اپنے عہد یعنی حالتِ موجودہ کے احوال و مسائل کے ساتھ وابستہ ہونا ضروری ہے، یہی خوبی ادب کو سماج کا عکس ثابت کرتی ہے تاہم ادب سماج کا ایسا آئینہ نہیں جس میں معاشرے کی کوئی جھلک کسی اڑتے پرندے کی مانند دکھائی دیتی ہو بلکہ اعلیٰ ادب کی خوبی یہی ہے کہ اس میں سماج بیک وقت اپنے ماضی، حال اور مستقبل کے پہلوؤں سمیت اجاگر ہوتا ہے، اسی لیے کسی کلام غزل، شعر یا فن پارے کو اسی وقت اعلیٰ درجے کا شمار کیا جاتا ہے یا خراجِ تحسین کا مستحق سمجھا جاتا ہے جب اس میں سماج کا انعکاس تینوں زمانوں کے اعتبار سے ہو۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اچھے اور زندہ رہنے والے ادب کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> زندہ رہنے والے ادب میں تین چیزیں بیک وقت موجود ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں لکھنے والے کا اپنا عہد اور اس کی روح موجود ہوتی ہے، دوسرے اس میں ماضی کا ورثہ اور اس کی روایت کا شعور ہوتے ہیں، اور تیسرے آنے والے زمانوں کی روح بھی موجود ہوتی ہے کسی ادب پارے میں جس قدر ان تینوں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

زمانوں کی روح کی آمیزش ہو گی وہ ادب پارہ اسی مناسبت سے بڑا ہو گا۔(۶)

اس لیے ادیب اور شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض وقتی اور حادثاتی پیرائے میں اظہار نہ کرے بلکہ وہ ماضی کی روایات کی روشنی میں عصری حقائق و مسائل اور رویوں کو اس انداز میں پیش کرے کہ مستقبل کا ایک مدہم یا واضح خاکہ بھی قاری کے تخیل میں ابھر تا چلا جائے۔ یہ بات خاص طور پر اردو غزل پر صادق آتی ہے، اردو غزل کی جڑیں آفاقی موضوعات سے جڑی ہوئی ہیں لیکن اس کے شاخوں پر کھلنے والوں پھولوں میں اس کے عہد کا رنگ صاف دکھائی دیتا ہے۔ رنگِ تغزل اور رنگِ زمانہ نے غزل کے پیکر کو وہ رعنائی بخشی ہے کہ آج بھی لوگ غزل کے حسن کے اسیر ہیں۔ اسی لیے ہر دور میں غزل اردو سے محبت کرنے والوں کی توجہ کا مرکز رہی ہے اور اس کی وجہ سے اردو سے محبت کی گئی ہے، کیوں کہ غزل نے ہر عہد کی روح کو سمجھا ہے، اس نے انسانوں کے اجتماعی کرب کا ادراک کیا ہے، اس نے غمِ یار سے لے کر غمِ دیار تک انسانوں پر بیتنے والے ہر دکھ کو اپنے وجود میں سمویا ہے چناچہ میر سے لے کر ناصر کاظمی تک اور غالب سے لے کر افتخار عارف تک غزل نے ہر عہد کی تاریخ کو اپنے حافظے میں نقش کر رکھا ہے اور آج بھی وہ عہدِ رواں کی ترجمان کا کردار ادا کر رہی ہے، نظیر صدیقی لکھتے ہیں:

جس طرح عہدِ رواں کی روح کو سمجھنے کے لیے اس عہد کے ناولوں، ڈراموں اور افسانوں کا مطالعہ ضروری ہے اسی طرح غزل کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔(۷)

اردو غزل نے تہذیبی اتار چڑھاؤ کو بھی محفوظ رکھا ہے اور بدلتے ہوئے انسانی رویوں کی نشان دہی بھی کی ہے، یہی وجہ ہے کہ مضامین کے تنوع سے ہر دور میں اردو غزل میں جدت پیدا ہوتی رہی ہے، غزل کی تاریخی حیثیت اور تہذیبی تبدیلیوں کی بہترین عکاسی کو ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اس طرح بیان کیا ہے:

اردو میں اس غزل کی کوئی دوڈھائی سو سال کی روایت موجود ہے ان دوڈھائی سو سالوں میں ہماری زندگی کا قافلہ جن راہوں سے بھی گزرا ہے ہماری تہذیب جن منزلوں سے بھی روشناس ہوئی ہے اس کی سچی اور صحیح تصویر ہماری غزل میں ملتی ہے۔(۸)

صحافت کو بھی تاریخ کا حافظہ کہا جاتا ہے، لیکن ادب صحافت سے جدا شے ہے۔ ادب ہنگام پسند طبیعت نہیں رکھتا، وہ خبریت نہیں، دوام کو چاہتا ہے۔ گو کہ جدیدیت کے بطن سے پھوٹنے والی ہنگامہ خیزی اور افراتفری کے اثرات سے ادب بھی متاثر ضرور ہوا ہے اور اس کے اثرات اردو غزل پر بھی مرتب ہوئے ہیں لیکن اردو غزل کی طبیعت اور مزاج ہنگامہ آرائی، تلون پسندی، اضطراری اظہار اور اشتعال انگیزی سے کوسوں دور اور ہنگامہ آرائی سے گریزپا رہی ہے جیسا کہ روایت کے تناظر میں بھی اردو غزل ہنگامے، تعجیل، بے سکونی اور چھینا جھپٹی کی کیفیت کو ناپسندیدہ کرتی ہے۔ پروفیسر سید محمد عقیل لکھتے ہیں:

ہنگامیت غزل کو کبھی باندھ نہیں سکی اور جو غزل ہنگامیت کے ساتھ چلی وہ وقت کے ساتھ وہیں چھوٹ گئی اور غزل اس ہنگامیت کا بھی عطر لے کر پھر اپنی روایت کے کارواں میں شامل ہو جاتی ہے۔(۹)

اردو غزل میں وصالِ یار اور ہجر و فراق، تصوف اور زہد و قناعت جیسے روایتی مضامین کے علاوہ شہر آشوب، ہجرت، بے وطنی، محکومی، ہم نفسوں کی بے اعتنائی، انسانی معاملہ بندی، معاشرتی المیے، اقدار کی پامالی، سماجی حرص اور افسردگی، تنہائی، نفسانی کجروی، اشتہاء، نفسیاتی گراوٹ، حریتِ فکر اور آزادی کے جذبات و احساسات، خاندان، انسانی تعلقات کی عظمت اور رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ، انقلاب و حکومت، نارسائی اور وجودیت، جیسے جدید مضامین نیز ایجادات و اختراعات کی تیز رفتار ترقی سے رونما ہونے والی معاشرتی تبدیلیوں، منافقت، تضاد اور اطلاع و انکشاف اور معلومات کی عام ترسیل سے پیدا ہونے والے خبط اور بیچنے اور خریدنے کے عالم گیر رجحانات سب ہی کو عہد بعہد موضوعِ سخن بنایا گیا، یعنی غزل انسانی زندگی اور اس کے متعلقات کا مکمل احاطہ کرتی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں:

اس میں ہر قسم کے افکار و خیالات کو اپنانے کی پوری صلاحیت ہے۔ اس نے حسن و عشق، فلسفہ و حکمت، تصوف و سیاسیات، وطنیت و اشتراکیت آزادی و جنگ ہر قسم کے رجحانات و میلانات کا ساتھ دیا ہے حالی، اکبر اور اقبال نے تو اس سے اصلاح اخلاق اور اصلاح مذہب کا بھی کام لیا ہے اور ہمارے دور کے غزل گو شعرا اسے ہمہ گیر زندگی کا عکاس بنانے کی کوشش کر رہے ہیں(۱۰)

جدید غزل پرانی غزل سے کس طرح مختلف ہے؟ اس غزل کی جو سب سے بڑی خصوصیت اسے اس سے پہلے کی غزل سے مختلف اور منفرد کرتی ہے، وہ اس کا موضوعاتی دائرہ ہے۔ نئی غزل میں پہلے کی نسبت موضوعاتی حوالے سے بہت وسعت آئی ہے۔ غزل ہر دور میں خود کو بدلتی رہی ہے۔ غزل نے، جس کے بارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اس میں جدید زمانے کے مطابق چلنے کی سکت موجود نہیں ہے، ناقدین کی اس سوچ کو غلط ثابت کر دیا۔ محسن سجاد حیدر لکھتے ہیں:

غزل یوں تو ہمیشہ سے عصری تقاضوں، ہر لحظہ بدلتی ہوئی زندگی کی تہہ بہ تہہ کروٹوں اور اپنے زمانے کے ذہنی و جذباتی مسائل کی آئینہ دار ہی ہے لیکن آج کی غزل شاید سب سے زیادہ اپنے زمانے کا ساتھ دے رہی ہے اور وہ پہلے کے مقابلہ میں زندگی سے نزدیک تر آ گئی ہے۔(۱۱)

غزل کو ہمہ گیر اثرات کا حامل بنانے کی کوششوں میں عصرِ حاضر کے تہذیبی اثرات بھی غزل میں کار فرما دکھائی دیتے ہیں۔ نئی تہذیب دراصل مغرب کے علوم و فنون اور فلسفۂ حیات پر مشتمل ہے گزشتہ کم از کم دو صدیوں سے ہمارے معاشرے کو جس کا سامنا ہے۔ جدید تعلیم اور ذرائع ابلاغ کی تیز رفتار ترقی کے باعث مغربی تصورِ زندگی ہمارے معاشرے میں رچ بس چکا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی قدیم تصورات بھی ہمارے قومی شعور کا حصہ ہیں، اور اس ملے جلے شعور کے اثرات ہماری غزل اب بہت واضح ہو چکے ہیں۔ بقول محمد علی صدیقی:

حقیقت تو یہ ہے کہ ماضی میں ہمارا تعلق کسی بھی تہذیب یا تہذیبوں کے اختلاط سے رہا ہو، فی زمانہ ہم پر مغربی تہذیب کی عمل داری ہے اور ہم مغربی تہذیب کی ذیلی تہذیب بنتے چلے جا رہے ہیں۔(۱۲)

عصرِ حاضر میں جدیدیت کے کچھ خواص یعنی رفتار، حجم، زیادتی، مقدار وغیرہ ہمارے سماجی مزاج کا حصہ بنتے جا رہے ہیں، بڑائی کا اظہار، دکھاوا، تشہیر اور چیزوں کی حرص ہمارے سماج میں رائج ہو چکی ہے۔ میڈیا کی ترقی سے انسان کی سوچوں کو جو وسعت ملی ہے اس سے انکار ممکن نہیں لیکن ان مسائل سے نظریں چرانا بھی ممکن نہیں جو میڈیا کی وجہ سے معاشرے میں پیدا ہو رہے ہیں۔ ان تمام چیزوں کے اثرات ادب پر بھی مرتب ہو رہے ہیں۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ ادب پر صحافت کے خواص یعنی ہنگامہ خیزی "خبر" اور "تشہیر" کا اثر دکھائی دینے لگا ہے۔ یہ غزل میں ایک نئے مزاج اور رجحان کی نشان دہی ہے۔ بقول سہیل احمد:

نئی غزل کا مزاج بھی نیا ہے۔۔۔ نئی غزل کو بھی کسی مخصوص نظریے سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر سمجھا جا سکتا ہے تو محض نئی تہذیب اور نئے فرد کے توسط سے۔(۱۳)

اردو غزل نے نئی تہذیب کے اثرات کو قبول ہی کیوں کیا ہے؟ اس کی ایک وجہ تو واضح ہے کہ ادب کی کسی بھی صنف کی طرح غزل کے لیے بھی معاشرتی رجحانات سے رخ موڑنا ممکن نہ تھا، غزل نے معاشرتی اتار چڑھاؤ کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا ہوا ہے اور یہی وجہ ہے کہ معاشرے کے ساتھ اس تعلق نے غزل کو مقبولیت کے ساتھ ساتھ نئے موضوعات بھی عطا کیے ہیں۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

غزل اپنی بنیاد میں ایک ایسی صنف ادب ہے جو مخلوط تہذیب سے متشکل ہوئی اس لیے موضوعاتی اختلاط و اختلاف اس کی باطنی قوت ہے۔(۱۴)

غزل پر نئی تہذیب کے اثرات کئی حوالوں سے دیکھے جا سکتے ہیں، نئی تہذیب سب کچھ جان لینے کی جستجو میں ہے۔ کائنات کو کھنگالا جا رہا ہے، نت نئے راز افشاء ہو رہے ہیں، ہر لمحے طرح طرح کی خبریں مل رہی ہیں، اس دور کا انسان متجسس دکھائی دیتا ہے۔ وہ ہر شے کی حقیقت کو جاننے کی جستجو میں ہے اور ہر سمت کشمکش اور تضاد کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں: "بیسویں صدی تشکیک، خود اذیتی اور گومگو کا زمانہ ہے۔ "(۱۵)

تشکیک، خود اذیتی اور گومگو جدیدیت کا تحفہ ہیں۔ معلومات کے سیلاب اور جدیدیت کے عوامل نے آج کے انسان میں تجسس کو بڑھا دیا ہے۔ وہ ہر لمحہ باخبر رہنا چاہتا ہے۔ اسی لیے آج کے انسان کی زندگی میں خبر کی اہمیت بہت بڑھ چکی ہے۔ الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے سینکڑوں ادارے معاشرے میں موجود ہیں لیکن ہر وقت کچھ نیا جاننے اور نیا دیکھنے کی خواہش بڑھتی جا رہی ہے۔ اس خواہش نے معاشرے میں ناآسودگی کو جنم دیا ہے۔ زہد و قناعت کی جگہ زیادہ سے زیادہ کی حرص نے معاشرے میں بہت سے منفی رجحانات کو پیدا کر دیا ہے، اس کے اثرات معاشرے میں منفی اثرات پیدا کر رہے ہیں، یہ منفی اثرات کثرت سے بڑھتی ہوئی منفی خبروں کی صورت میں سامنے آ رہے ہیں، دل کو اداس کر دینے والی خبریں بڑھ گئی ہیں اور حالات اس نہج پر پہنچ چکے ہیں کہ ہر آن یہ دھڑکا ہی لگا رہتا کہ نجانے کب کوئی پریشان کن اطلاع موصول ہو جائے۔

گزرتے وقت کی ہر چاپ سے میں ڈرتا ہوں نہ جانے کون سالمحہ اداس کر جائے (مشفق خواجہ)

جدیدیت کی چکاچوند سائنسی ایجادات کی بدولت ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے جہاں انسانی زندگی کو آسان بنادیا ہے وہیں کچھ دشواریاں عطا کی ہیں۔ اردو زبان وادب بھی اس سے متاثر ہوئے ہیں۔ موبائل اور انٹرنیٹ کے عام ہو جانے سے اردو زبان کے رسم الخط کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ رومن رسم الخط میں اردو کو لکھا جارہا ہے۔ اس کے علاوہ ادب کا مجموعی اور قومی تاثر خواب ہو گیا ہے۔ کوئی بھی واقعہ ہو فوراً ادب میں آجاتا ہے جس سے ادب میں اخبار والی خصوصیت پیدا ہو گئی ہے۔

ہر نئے حادثے پہ حیرانی پہلے ہوتی تھی اب نہیں ہوتی (باقی صدیقی)

سائنسی ترقی اور نت نئی ایجادات نے انسان کو پر سکون زندگی کو بہت متاثر کیا۔ انسان اس سکون کا متلاشی ہے جو اسے ماضی میں میسر تھا۔ اس دور کا انسان مشینوں کے شور میں اس قدر عدم سکون کا شکار ہو گیا ہے کہ اسے کچھ سنائی نہیں دیتا۔

یہ تو ہوا کہ آدمی پہنچا ہے ماہ تک کچھ بھی ہوا وہ واقفِ افلاک تو ہوا (منیر نیازی)

اس شور شرابے، ہنگامے اور مصروف ترین زندگی میں انسان کو انسان کی خبر ہی نہیں رہی، وہ عالمی اور ملکی حالات کو جاننے کا ایسا شائق ہوا کہ اپنے اردگرد کی دنیا سے لاتعلق ہو گیا، میڈیا کی چکاچوند روشنیوں میں کھوئے ہوئے انسان کو شاعر نے ہلایا جلایا اور احساس دلایا کہ وہ خود کو کھو رہا ہے اور ہجوم میں رہتے ہوئے بھی تنہائی کا شکار ہو تا جارہا ہے۔

اکیلا ہوں بھری دنیا میں یارو یہ میرے عہد کا اک سانحہ ہے (اطہر نفیس)

ایسا نہیں کہ جدیدیت سے قبل غزل واقعے کے اثر سے خالی تھی، واقعے کے انفرادی تجربات کو غزل کا حصہ پہلے بھی بنایا جاتا رہا تھا لیکن یہ انفرادی تجربات غزل کے عمومی مزاج میں کوئی تغیر واقع نہیں کرتے تھے، حالی سے لے کر شورش تک مختلف شعراء کی غزلوں میں خبر کا اثر واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے، یہ اور بات ہے کہ خبریت کے اثر کی وجہ سے ایسی غزلیں وقتی مقبولیت حاصل کرنے کے باوجود اپنے عہد سے آگے نہ بڑھ سکیں، شورش کشمیری کی غزلیں زبان وبیاں میں کمال رکھتی تھیں لیکن مقبول اسی لیے نہ ہو سکیں کیوں کہ ان میں خبریت، ہنگامہ خیزی اور ایک خاص عہد کے واقعات کا واضح اظہار ملتا ہے جبکہ اعلی اور مقبول ادب کے متعلق ہم جان چکے ہیں کہ اس میں آفاقیت کا عنصر ضروری ہے، البتہ جن شعراء نے روایت کا التزام ملحوظ رکھتے ہوئے ہنگامی نوعیت کے مضامین کو اشعار کا حصہ بنایا ہے، ان کی مقبولیت آج بھی بر قرار ہے،

مثلاً جوش کا یہ شعر ملاحظہ فرمائیں:

اب تک نہ خبر تھی اُجڑے ہوئے گھر کی تم آئے تو گھر بے سروساماں نظر آیا)جوش ملیح آبادی(

ناصر کاظمی کا شعر ملاحظہ کریں:

شور برپا ہے خانۂ دل میں کوئی دیوار سی گری ہے ابھی (ناصر کاظمی)

غزل میں خبر سے متعلق انفرادی تجربے کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، اس کے علاوہ المناک واقعات ہر دور میں غزل کا حصہ بنتے رہے ہیں لیکن وہ غزل کے اسلوب میں ہنگامی کیفیت پیدا نہیں کرتے تھے۔ اس دور کا انسان ہجوم میں مکمل طور پر گم اور تنہا نہیں ہوا تھا، انسان ظالم تھا لیکن تنہا نہیں تھا۔

زمیں نے خون اگلا آسماں نے آگ برسائی

جب انسانوں کے دن بدلے تو انسانوں پہ کیا گزری (ساحر لدھیانوی)

ہر دور میں رونما ہونے والے رجحان ساز واقعات غزل پر بھی اپنے اثرات مرتب کرتے رہے ہیں لیکن یہ ایسے واقعات ہوا کرتے تھے جن کے اثرات اقوام یا تمام معاشرے پر پڑتے تھے، گویا وہ وقتی اور ہنگامی اثر کی بجائے طویل مدتی اثرات کے حامل واقعات ہوتے تھے جن کے اثرات کو مٹانا یا بدلنا ممکن نہیں ہوتا تھا۔ ایسے واقعات کو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

موضوع کا حصہ بناتے ہوئے شاعر یا ادیب کو بہت کچھ سوچنا پڑتا تھا، انھیں عصری معنویت دینا پڑتی تھی، انھیں علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا جیسا کہ افتخار عارف کا یہ شعر

وہی پیاس ہے وہی دشت ہے وہی گھرانا ہے　　مشکیزے سے تیر کا رشتہ بہت پرانا ہے　　(افتخار عارف)

لیکن خبر کی ہنگامیت اب ادب پر بھی اثر انداز ہو چکی ہے، کوئی واقعہ پیش آئے تو شاعر کو بھی اس پر فوری طور پر اظہارِ خیال کرنا پڑتا ہے، اخبارت میں قطعات اور ایسی غزلیں شایع ہوتی ہیں، جن میں فوری واقعات کو موضوع بنایا جاتا ہے، مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہوں جن میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے سانحے اور اس کا ملبہ ساری دنیا پر گرنے کے استعارے کو کس خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

عمارت اپنے پاؤں پر گری ہے　　تو مٹی سارے گاؤں پر گری ہے　　(جوہر میر)

اسی متعلق مزید شعر:

نہ سنتا تھا فغاں جو شہر کل تک　　اسے شہر فغاں دیکھا گیا ہے　　(جوہر میر)

ہے دھند میں ڈوبا ہوا اس شہر کا منظر　　کیا جانیے کب تک یہ سماں یوں ہی رہے گا　　(انعام ندیم)

سائنسی ترقی نے جذبات اور احساسات کی سچائی اور تقدس کو بری طرح متاثر کیا اور یہ اس دور کے ترقی یافتہ انسان کا المیہ بن گیا۔ یہی موضوع پاکستانی غزل میں بھی ملتا ہے۔

وفا، اخلاص، قربانی، محبت　　اب ان لفظوں کا پیچھا کیوں کریں ہم
زلیخائے عزیزاں! بات یہ ہے　　بھلا گھاٹے کا سودا کیوں کریں ہم　　(جون ایلیا)

ذرائع ابلاغ کی تیز رفتار ترقی کی وجہ سے جہاں کچھ فوائد حاصل ہوئے وہاں یہ نقصان بھی ہوا کہ سیاست ہر شعبۂ زندگی پر چھا گئی۔ لوگوں کے درمیان نفرتیں پھوٹ پڑیں، لسانی، مذہبی اور دیگر تعصبات نے لوگوں کو ایک دوسرے سے بدگمان کر دیا اور عداوتوں نے اس حد تک سر اٹھایا کہ معصوم بچے تک محفوظ نہ رہے۔

پھولوں کا بکھرنا تو مقدر ہی تھا لیکن　　کچھ اس میں ہواؤں کی سیاست بھی بہت تھی　　(پروین شاکر)

معاشرے میں رونما ہونے والے واقعات نے شاعر کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا کہ اس ملک پر کہیں آسیب کا سایہ تو نہیں!

منیر اس ملک پر آسیب کا سایہ ہے یا کیا ہے　　کہ حرکت تیز تر ہے اور سفر آہستہ آہستہ　　(منیر نیازی)
اس عہد سے وفا کا صلہ مرگِ رائگاں　　اس کی فضا میں ہر گھڑی کھونے کا رنگ ہے　　(منیر نیازی)

ملک میں قتل و غارت گری کے واقعات کی ایسی کثرت ہوئی کہ شاعر کو بیان کا پیرایہ ہی بدلنا پڑ گیا۔

وہ خوں بہا کہ شہر کا صدقہ اتر گیا　　اب مطمئن ہیں لوگ کہ دریا اتر گیا　　(سلیم شاہد)

میڈیا اور اخبار و جرائد نے لوگوں کی عزتِ نفس کو بھی ارزاں کر دیا

بے خوف ہو کے فرد کی تذلیل کیجیے　　اتنے شدید جرم کی کوئی سزا نہیں　　(سید مبارک شاہ)

اخبار عام ہوئے اور لوگوں کو خبری ذرائع سے اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانے کے وسائل ملے تو اشتہار سازی کا کام بھی بڑھ گیا، پڑھے لکھے لیکن بے روزگار نوجوانوں کو اور کوئی کام نہ ملا تو وہ تشہیر کے کام سے وابستہ ہو گئے، تشہیر نے بھی ایک صنعت کی صورت اختیار کر لی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

اب پڑھے لکھے بھی ساجد آ کے بیکاری سے تنگ شب کو دیواروں پہ چسپاں پوسٹر کرنے لگے (اقبال ساجد)

حاصل کرو مرے لیے نفرت کرائے پر لے آؤ سارے شہر کی خلقت کرائے پر (اقبال ساجد)

ادب معاشرے پر چھا جانے والی ترقی پسندی کے اثرات سے محفوظ نہیں رہا بلکہ جدید نظریات کی تشہیر کا باعث بن گیا، ترقی کی دوڑ سے ہر شخص ہی متاثر ہے، اکیسویں صدی کا انسان ترقی کی اس دوڑ میں نہ صرف سبقت لے جانے کے لیے کوشاں ہے بلکہ تشہیر کے جال میں پھنسا چلا جا رہا ہے۔ ترقی کی خوشی نے انسان میں نمود و نمائش کو جنم دیا ہے انسان اپنی ترقی سے خود خوش تو ہے لیکن وہ اس کی نمائش کرنا بھی پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کیا کچھ ہے۔

جن میں کچھ تازگی و معنی و مطلب ہی نہ ہو ایسی باتوں سے ہم امید اثر کیا باندھیں (پرویز ساحر)

نہیں اخلاص نیت اور اختر عبادت کی نمائش ہو رہی ہے (اختر علی اختر)

مجھے اشتہار سی لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں جو کہا نہیں وہ سنا کرو جو سنا نہیں وہ کہا کرو (بشیر بدر)

بیسویں صدی کے نصف آخر اور اکیسویں صدی کی ابتدا میں جب صحافت کے جدید ذرائع عام ہوئے تو اشتہاروں کے ایک سلسلہ شروع ہوا۔ اس سے قوم کی انفرادی واجتماعی نفسیات میں فرق آیا۔ ظاہری خصوصیات کے اظہار نے انسانی زندگی میں بھی نفوذ پایا۔ اشتہاروں کے اثرات انسانی زندگی پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ شمیم حنفی لکھتے ہیں:

> بیسویں صدی کو اشتہار بازی کی صدی کہا گیا تھا مگر تب تک ابھی اشتہار بازی کتابِ زندگی کا حاشیہ تھی۔ اکیسویں صدی کے آتے آتے اسے متن کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔(۱۶(

ہر شخص ہے اشتہار اپنا ہر چہرہ کتاب ہو گیا ہے (قیصر الجعفری)

اشتہار بازی کے بڑھتے ہوئے رجحان نے پاکستانی معاشرے کو بھی متاثر کیا جہاں بین الاقوامی سطح پر اشتہار بازی نے انسان کو متاثر کیا ہے وہیں ایک عام شہری بھی اس کی لپیٹ میں ہے۔ موبائل، کیبل اور انٹرنیٹ جیسی سہولیات اب ہر شخص کی پہنچ میں ہیں۔ استحصال کے اس طریقے سے لوگوں کو ذہنی سطح پر مفلوج کیا جا رہا ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیاں اس میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ نت نئے سہولیات کو حاصل کرنے کے آسان طریقے بتائے جاتے ہیں۔ ان کمپنیوں کے اشتہار اس قدر متوجہ کرنے والے ہوتے ہیں کہ ایک عام قاری بھی اس سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔ جدید ٹیکنالوجی کے استعمال نے اور تشہیر کی اس نفسیات نے انسان سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو چھین لیا ہے۔ شمیم حنفی لکھتے ہیں:

> آخر یہ بھی تو بیسویں صدی کی فتوحات اور کامرانیوں ہی کا نتیجہ ہے کہ جمہوریتوں کی اشتہار بازی نے عوام سے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی۔ اخلاقی طور پر اپاہج نسلیں پیدا ہونے لگیں۔ بڑھتی ہوئی آبادی پر قابو پانے کی کوشش نے جنسی اور اخلاقی رشتوں کی نوعیت بدل دی، اسلحوں کی جنگ نے ذاتی شجاعت کا تصور ختم کر دیا۔ علاقائیت، لسانی تنگ نظری، قومیت، نسل پرستی اور فرقہ واریت نے انسانیت کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ دفتر شاہی نے افراد کو فائل نمبر، رول نمبر، ہاوس نمبر کی حیثیت دے دی۔ ٹیکنالوجی کی ترقی نے سستی تفریحات کو ترقی دی ہے۔ مذاق پست ہوتے جاتے ہیں جمالیاتی احساس کُند ہوتا جاتا ہے۔ ایک لغو تصور ماس کلچر کا پیدا ہوا ہے زندگی سے دیرپا اور بامعنی لطف اٹھانے کا خیال ٹھنڈا پڑتا جاتا ہے۔(۱۷(

اخبار جدیدیت اور ترقی کی دوڑ میں خود کو کھو دینے والے معاشرے کا دکھ اور کرب روز ہی سناتے ہیں، یہاں تک کہ شاعر کو احساس ہوتا ہے کہ اذیت اٹھانے کے لیے صبح کے اخبار ہی کافی ہیں۔

ان سے کہو وہ زحمتِ آزار مت کریں میرے لیے تو صبح کے اخبار ہیں بہت (عطاالحق قاسمی)

نکل آیا ہے سورج اور مری آنکھیں نہیں کھلتیں میں ڈرتا ہوں نہ جانے آج کا اخبار کیا ہو گا (شہزاد احمد)

عابد یہ آدمی کی اذیت کا دور ہے اچھے رہے وہ لوگ یقیناً جو مر گئے (عابد علی عابد)

ڈاکٹر اجمل نیازی لکھتے ہیں: ”غزل مشرق کا نغمہ ہے اور نوحہ بھی مسلمانوں کی تہذیبی معاملات کا منظر نامہ اس سے بہتر کسی صنف میں نہیں بن سکا۔“ (۱۸(

غزل ہر دور میں اس عہد کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کی عکاسی کرتی رہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی روایت سے بھی جڑی رہی ہے۔ نئے حالات، نئے موضوعات کو لانے کی وجہ بنتے رہے ہیں۔ غزل کے موضوعات میں مزید اضافہ ہوتا ہی رہے گا لیکن غزل کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا بنیادی موضوع عشق آج بھی اسی طرح سے اس کا حصہ بنا ہوا ہے۔ غزل میں سیاسی، سماجی اور معاشی موضوعات مختلف حالات میں مختلف انداز سے بیان ہوتے رہے ہیں لیکن غزل کا بنیادی موضوع عشق آج بھی اسی طرح سے زندہ ہے اور موجودہ عہد کے غزل گو شاعر آج بھی عشق کے موضوع کو بیان کر کے اپنے جذبات کی عکاسی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ غزل کی یہ خصوصیت ہمیشہ سے قائم ہے اور قائم رہے گی کہ یہ نئے موضوعات کو بڑی خوبی سے قبول کرتی آئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اردو غزل کا آغاز حسن و عشق کی داستانوں، غمِ دل اور غمِ جاناں کی حکایتوں اور تصوف اور زہد کے بیان سے ہوا تھا لیکن غزل اپنے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اردو بولنے والوں کی ادبی تاریخ اور خاص طور پر مسلمانوں کے تہذیبی معاملات کا منظر نامہ بن گئی جس میں اردو کے ہر عہد کے سماجی مزاج، لسانی رنگ اور سیاسی رویے نظر آتے ہیں۔ معاشرے میں علوم و فنون کے پھیلاؤ، سائنسی ایجادات کی ہوش ربا ترقی، برقیاتی اور نشریاتی ذرائع کے پھیلاؤ اور سفر کی تیز رفتار سہولتوں کی بدولت اقوام کے درمیان فاصلے سمٹ گئے اور جدید وسائل کے بل پر مغربی تہذیب جدیدیت کے روپ میں مشرقی معاشروں میں ترویج پانے لگی تو اس کے اثرات اردو ادب اور غزل پر بھی مرتب ہوئے ،چوں کہ ادب سماج کا عکس ہوتا ہے اسی لیے اردو غزل نے بھی جدت کے اثرات کو قبول کیا تاہم جدید غزل کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے اپنی روایت کے ساتھ تعلق اور رشتے کو برقرار رکھا اور داخلیت کا عنصر رنگ تغزل کی صورت میں جدید غزل کا حصہ بنا رہا، البتہ جدت کے کچھ لوازم معاشرے کا حصہ ہونے کی وجہ سے اردو ادب میں منعکس ہوئے اور جدید غزل کا حصہ بھی بنے مثلاً تنہائی، اداسی، ہنگامیت، تشہیر اور رفتار وغیرہ، یوں جدید غزل میں روایت کے برعکس ہنگامیت کا عنصر پیدا ہو گیا اور صحافت کا رنگ غزل میں در آیا۔ خبر اور اشتہار کا اثر غزل میں نظر آنے لگا۔ عالمی و علاقائی سطح پر ہونے والے واقعات کا صحافتی اثر غزل پر بھی پڑا۔ اشتہارات کا رواج ہوا تو انفرادی و اجتماعی رویے میں تبدیلی آئی تو اردو غزل پر بھی اس کے اثرات پڑے ہیں۔ خبر اور اشتہاروں کے مثبت و منفی اثرات ہر دو پہلوؤں سے اردو غزل پر دکھائی دیتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء، ص ۱۳۰

۲۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، غزل اردو مطالعہ غزل، ص ۶۲۵

۳۔ قمر جمیل، ''عصری آگہی اور شاعری'' مشمولہ '' ادبی زاویے'' (کل پاکستان اہل قلم کانفرنس ۱۹۸۳ء کے مقالات کا مجموعہ)، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ص ۱۷۰

۴۔ رشید امجد، ڈاکٹر، پاکستانی ادب: رویے اور رجحانات، ص ۷۷

۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ''نئی تنقید''، رائل بک کمپنی، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۸۵ ۶۔ ایضاً، ص ۲۸۱

۷۔ نظیر صدیقی، ''اردو غزل کے جدید رجحانات'' مشمولہ ''مقالات کل پاکستان اہل قلم کانفرنس ۱۹۸۱ء''، اکادمی ادبیات پاکستان، ص ۲۳۳

۸۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، پیش لفظ ''غزل اور مطالعہ غزل''، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۵ء

۹۔ سید محمد عقیل، پروفیسر، ''غزل کے نئے جہات''، مکتبۂ جدید، نئی دہلی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۷۳

۱۰۔ فرمان فتح پوری، ''جدید اردو غزل'' مشمولہ ''نگار'' جدید شاعری نمبر، ص ۱۹۳، ۱۹۲

۱۱۔ محسن سجاد حیدر، ''نئی غزل اور جدید غزل'' مشمولہ ''نیرنگ خیال''، شمارہ ۵۲۹، ۵۳۰، نومبر ۱۹۷۰ء، ص ۱۰۸

۱۲۔ محمد علی صدیقی، ''ادب اور قومی شعور'' مرتبہ: ڈاکٹر محمد یوسف خشک، ڈاکٹر صوفیہ یوسف، شاہ لطیف یونیورسٹی، خیرپور سندھ، ۲۰۱۰ء، ص ۹۵

۱۳۔ سہیل احمد، ''قدیم و جدید غزل اور ہمارے تہذیبی تغیرات'' مشمولہ ''بازیافت'' لاہور، شمارہ ۱۳، جولائی تا دسمبر ۲۰۰۸ء، ص ۳۴۲

۱۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، اردو شاعری کا مزاج، مکتبہ عالیہ، لاہور، ص ۲۱۳

۱۵۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ''اردو غزل'' مشمولہ ''جدیدیت: تجزیہ و تفہیم''، مرتبہ: مظفر حنفی، ص ۴۷۴

۱۶۔ شمیم حنفی، خیال کی مسافت، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، ص ۸ ۱۷۔ ایضاً، ص ۹

۱۸۔ اجمل نیازی، ڈاکٹر، ''پاکستانی اردو غزل کا ایک اجمالی جائزہ'' مشمولہ'' ماہ نو'' لاہور، اگست ۱۹۹۷ء، ص ۱۴۴

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 6 No.1 2022

References:

1.Abu al IjazHafeez Sidiqi, Kashaf e TanqeediIstalahat, MuqtadraQomiZuban, Islamabad, 1985, Page 130
2.Ibatat Baralvi, Dr, Ghazal OorMutalia e Ghazal, Page 625
3.QamarJameel, “AsriAaghioorshaeri” mashmula “adbiZawye”)Kul Pakistan Ahl e Qalam Conference 1983 kymaqalatkamajmuaa) Academy Adbiat , IslamAbad, Page 170
4.Rasheed Amjad, Dr, Pakistani Adab: RawayeoorRujhanat, Page 77
5.Jameel Jalbi, Dr, NaiTanqeed, Royal Book Company, Karachi, 1985, Page 285
6.Aezan, Page 281
7.Nazeer Sidique, “Urdu Ghazal KeJadeedRujhanat” Mashmola “Maqalat Kul Pakistan Ahl e Qalam Conference 1981, Academy Adbiat, Islamabad, Page 233
8.Ibadat Bralvi, Dr, PeeshLafz, Ghazal OorMutalye e Ghazal, AnjumanTaraq I Urdu, Karachi, 1995
9.Syed Muhammad Aqeel, Ghazal ke Nay Jehat, MaktabaJadeed, New Delhi, 1989, Page 173
10.Farman FatehPuri, “Jadeed Urdu Ghazal” Mashmula “Nigar” JadeedShaeri Number, Page 192,193
11.Mohsin SajjadHaider, “Nai Ghazal oorjadeed Ghazal”, mashmula “Nerang e Kheyal” Shumara 529,530, November 1990, Page 108
12.Muhammad Ali Sidiqi, {Ada boor qoomiShaoor”, Murattba: Dr Muhammad YousafKhushk, Dr Sofia Yousaf, Shah Latif University, KhairPur Sind, 2010, Page 95
13.Sohail Ahmed, “QadeemOorJadeed Ghazal oorHamaryTehzeebiTaghurat”, Mashmula “BAzyaft”, Lahore, Shumara 13 july ta dec 2008, Page 342
14.Wazeer Aagha, Dr, Urdu ShaerikaMizaj, MaktbaAalia, Lahore, Page 213
15.Wazeer Aagha, Dr, “Urdu Ghazal” Mashmula “Jadeediat: tajzia o Tafheem” Murattba: MuzafarHanfi, Page 474
16.Shameem Hanfi, KheyalkiMusafat, Fazli Sons Limited, Krachi, Page 8
17.Aezan, Page 9
18.Ajmal Neyazi, Dr, “Pakistani Urdu Ghazal kaAikAjmaliJaeza” Mashmula “Mah e Nu” Lahore, August 1997, Page 144